

Allama Iqbal Open University AIOU BS Urdu

Solved assignment no 1 Autumn 2025

Code 9015 Literary Terms

سوال 1 - اصطلاح کی تعریف کریں نیز اصطلاح سازی کے اصول بیان کریں۔

اصطلاح کی تعریف

لفظ "اصطلاح" عربی زبان کے مادہ "صلح" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں درست ہونا، موافقت یا اتفاق کرنا۔ لغوی طور پر اصطلاح اس مفہومت یا اتفاق کو کہتے ہیں جو اہل علم کسی مخصوص لفظ کے بارے میں اس کے مخصوص مفہوم کے تعین کے لیے کرتے ہیں۔

اصطلاح کا مطلب ہے کہ کسی علم یا فن کے مابرین کسی لفظ کو اس کے عام لغوی معنی سے ہٹا کر ایک خاص مفہوم میں استعمال کرنے پر متفق ہو جائیں۔

مثلاً:

● لفظ "نماز" عربی میں دعا کے معنی میں آتا ہے، لیکن اسلامی اصطلاح میں یہ اللہ کے حضور مخصوص ارکان اور اوقات کے ساتھ ادا کی جانے والی عبادت ہے۔

● اسی طرح "نقش" عام معنی میں تصویر یا چھاپ کے لیے استعمال ہوتا ہے، لیکن فنِ مصوری یا خطاطی میں اس کا مفہوم مخصوص ہو جاتا ہے۔

لہذا، اصطلاح کسی علم، فن یا شعبے میں ایسے لفظ یا ترکیب کو کہتے ہیں جو مخصوص مفہوم رکھتا ہو اور جس پر اس علم کے ماہرین کا اتفاق ہو۔

اصطلاح کی فنی تعریف

اصطلاح کی فنی تعریف یوں کی جا سکتی ہے:

"اصطلاح وہ لفظ یا ترکیب ہے جو کسی علم یا فن میں خاص معنی میں

مستعمل ہو اور جس پر اس علم کے مہرین کا اتفاق ہو۔"

یہ تعریف ہمیں یہ سمجھنے میں مدد دیتی ہے کہ اصطلاح دراصل علمی یا فنی

مفہوم کا نتیجہ ہوتی ہے۔

اصطلاح کی خصوصیات

اصطلاح میں درج ذیل خصوصیات پائی جاتی ہیں:

1. اختصاص – اصطلاح مخصوص علم یا شعبے کے ساتھ منسلک ہوتی ہے۔

2. تعینِ مفہوم – اس کا معنی واضح، محدود، اور متعین ہوتا ہے۔

3. اتفاقِ اہلِ علم – اس کے معنی پر متعلقہ شعبے کے مہرین کا اتفاق ہوتا ہے۔

4. لغوی معنی سے انحراف – اکثر اوقات اصطلاحی معنی لغوی معنی سے

مختلف ہوتے ہیں۔

5. علمی ضرورت – کسی نئے تصور، نظریے یا مظہر کے لیے نئی

اصطلاح کی ضرورت پیش آتی ہے۔

اصطلاح کی اقسام

اصطلاحات کو کئی بنیادوں پر تقسیم کیا جا سکتا ہے، جیسے:

1. علمی اصطلاحات

جیسے فقہ، حدیث، فلسفہ، طب، ریاضی، فرکس وغیرہ میں مخصوص

مفہیم رکھنے والے الفاظ

مثال: "اجتہاد" ، "قانون حرکت" ، "جوہر" وغیرہ۔

2. ادبی اصطلاحات

جیسے "تشبیہ" ، "استعارہ" ، "کنایہ" ، "قافیہ" وغیرہ۔

3. لسانیاتی اصطلاحات

جیسے "فاعل" ، "مفعول" ، "ضمیر" ، "حرفِ جار" وغیرہ۔

4. فنی و تکنیکی اصطلاحات

جیسے "کمپیوٹر" ، "سافت ویئر" ، "ہارڈ ویئر" ، "الگورنمنٹ" وغیرہ۔

اصطلاح سازی کی ضرورت

اصطلاح سازی انسانی علم و فکر کی ترقی کے ساتھ ساتھ ایک ناگزیر ضرورت

ہے۔

جب بھی کسی نئے علم، ایجاد، یا تصور کا ظہور ہوتا ہے تو اس کے لیے

مناسب الفاظ درکار ہوتے ہیں تاکہ گفتگو، تحریر، اور تدریس میں آسانی ہو۔

اسی ضرورت کے تحت اصطلاح سازی (Terminology Development) اسی ضرورت میں آتی ہے۔

اصطلاح سازی کی وجوہات:

1. نئے تصورات، نظریات اور ایجادات کے لیے نئے الفاظ کی ضرورت۔

2. علمی زبان میں وضاحت اور یکسانیت برقرار رکھنا۔

3. ترجمے کے عمل میں مفہوم کی درستی کو یقینی بنانا۔

4. مادری زبان میں سائنسی و فنی علوم کو فروغ دینا۔

اصطلاح سازی ایک منظم اور سائنسی عمل ہے جس کے کچھ بنیادی اصول یا قواعد ہوتے ہیں۔ اگر ان اصولوں کو ملحوظ رکھا جائے تو نئی اصطلاحات زیادہ مؤثر اور پائیدار ثابت ہوتی ہیں۔

1. سادگی اور اختصار کا اصول

نئی اصطلاح آسان، مختصر اور قابل فہم ہونی چاہیے۔

ایک طویل، پیچیدہ یا ثقیل اصطلاح عام بول چال میں رائج نہیں ہو سکتی۔

مثلاً:

• "بجلی کا بلب" کے بجائے "الیکٹرک لیمپ" کہنا آسان ہے۔

• "دوربین مقتاطیسی شعاعی ناپ" جیسی اصطلاحات عوام میں رائج نہیں

ہوتیں۔

سادہ الفاظ نہ نشین ہونے میں آسان ہوتے ہیں۔

۲. معنوی وضاحت کا اصول

اصطلاح ایسی ہونی چاہیے جس سے اس کا مفہوم واضح طور پر ظاہر ہو۔

یعنی وہ اصطلاح اپنی نوعیت یا مقصد کی نمائندگی کرے۔

مثلاً:

• "ہوا بازی" (Aviation) لفظ سے فوراً اس کے معنی ظاہر ہو جاتے ہیں۔

• "کیمیاء" (Chemistry) لفظ اپنے موضوع کی نوعیت کی نشاندہی کرتا ہے۔

۳. اصل مفہوم کی حفاظت

اصطلاح بناتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے کہ نئے لفظ کا

مفہوم اصل تصور سے متصادم نہ ہو۔

غلط اصطلاح کسی بھی علم میں ابہام پیدا کر سکتی ہے۔

مثلاً:

اگر "حرارت" کے لیے کوئی ایسا لفظ استعمال کیا جائے جو "سردی" کے معنی دے تو مفہوم بگڑ جائے گا۔

۴. لسانی مطابقت کا اصول

نئی اصطلاح زبان کے صرفی (Morphological) اور نحوی (Grammatical) نظام کے مطابق ہونی چاہیے۔
یعنی اس کا ڈھانچہ اس زبان کے الفاظ کے مطابق ہو تاکہ اجنبیت محسوس نہ ہو۔

مثلاً اردو میں "بجلی" یا "برق" سے بننے والے الفاظ فطری لگتے ہیں:

● "برق رفتار" ، "برق رو" ، "برق نگاہ" وغیرہ۔

جبکہ کسی غیرملکی لفظ کی جڑ سے نامانوس ترکیب اردو میں اجنبی محسوس ہو سکتی ہے۔

۵. ماذی وحدت کا اصول

اصطلاح سازی میں کوشش کی جاتی ہے کہ ایک ہی تصور کے لیے ایک ہی اصطلاح استعمال کی جائے۔

یعنی ایک ہی علم میں ایک مفہوم کے لیے مختلف متبادل اصطلاحات نہ ہوں، تاکہ علمی ابہام پیدا نہ ہو۔

مثلاً:

اگر "کمپیوٹر" کے لیے کوئی کہے "حاسب" اور دوسرا کہے "شماریہ"، تو الجھن پیدا ہوگی۔

لہذا ایک ہی اصطلاح کا انتخاب ضروری ہے۔

۶. بین الاقوامی رواج کی رعایت

اصطلاحات بناتے وقت بین الاقوامی سطح پر مستعمل اصطلاحات سے مناسب ربط رکھا جائے تاکہ عالمی علمی دنیا کے ساتھ رابطہ قائم رہے۔

مثلاً "بایولوچی" کے لیے "حیاتیات" اردو میں اختیار کیا گیا، جو مفہوم میں مکمل ہم آہنگ ہے۔

٧. ماذِ زبان کا احترام

کسی بھی اصطلاح کا ماذ کسی مخصوص زبان سے ہے، تو اس کے لسانی اصولوں کا احترام ضروری ہے۔

مثلاً عربی ماذ کی اصطلاحات اردو میں اسی ساخت کے ساتھ رائج ہیں:

● "علم الاقتصاد" ، "علم الاجتماع" وغیرہ۔

اسی طرح انگریزی یا لاطینی اصطلاحات کا ترجمہ کرتے وقت ان کے اصل تصور کو برقرار رکھنا ضروری ہے۔

٨. علمی و فنی مشاورت کا اصول

اصطلاح سازی انفرادی یا سطحی عمل نہیں بلکہ اجتماعی اور سائنسی عمل ہے۔ اس کے لیے متعلقہ شعبے کے ماہرین، لسانیات کے ماہرین، اور مترجمین کی مشاورت لازمی ہوتی ہے تاکہ نئی اصطلاح علمی طور پر درست اور عملًا قابل استعمال ہو۔

۹. عوامی قبولیت کا اصول اصطلاح صرف بنائی نہیں جاتی بلکہ قبول کروائی جاتی ہے۔ اگر نئی اصطلاح عوام یا اہل علم کے درمیان رائج نہیں ہو سکتی تو وہ مردہ ثابت ہوتی ہے۔ اس لیے اصطلاح ایسی ہونی چاہیے جو بولنے والوں کے لیے مانوس اور استعمال کے قابل ہو۔ مثلاً ”ہوائی جہاز“ عوام میں زیادہ رائج ہے، جبکہ ”فضائی بالک“ غیر فطری محسوس ہوتی ہے۔

۱۰. ترجمے اور تطبیق کا اصول

بعض اوقات اصطلاح کسی دوسری زبان سے ترجمہ کر کے اختیار کی جاتی ہے۔

ایسے میں ترجمہ نہ صرف لفظی بلکہ تصوری ہم آہنگی کے ساتھ ہونا چاہیے۔

مثلاً "Democracy" کا ترجمہ "جمهوریت" کیا گیا، جو مفہوم میں مکمل ہے۔

اردو میں اصطلاح سازی کا تاریخی پس منظر

اردو میں اصطلاح سازی کا عمل مختلف ادوار میں جاری رہا:

1. ابتدائی دور:

فارسی کے زیر اثر اردو میں دینی، ادبی اور صوفیانہ اصطلاحات داخل

ہوئیں۔

2. انگریزی دور:

سائنس، ٹیکنالوجی، اور سیاسی علوم کی اصطلاحات انگریزی سے اخذ

کی گئیں۔

مثالاً: حکومت، آئین، معيشت، پارلیمان وغیرہ۔

3. جدید دور:

مقتدرہ قومی زبان، انجمان ترقی اردو، اور ادارہ فروغ قومی زبان نے

علمی و فنی اصطلاحات کے ترجمے کیے۔

مثالاً:

حياتیات = *Biology* ○

کیمیا = *Chemistry* ○

معیشت = *Economics* ○

Computer = حاسوب

اصطلاح سازی میں مشکلات

اصطلاح سازی ایک پیچیدہ عمل ہے کیونکہ:

1. مختلف زبانوں کے نظامِ صرف و نحو میں فرق ہوتا ہے۔
2. جدید سائنسی اصطلاحات کا اردو متبادل تلاش کرنا مشکل ہوتا ہے۔
3. عوامی سطح پر قبولیت میں وقت لگتا ہے۔
4. کئی بار ایک ہی تصور کے لیے مختلف ادارے الگ اصطلاحات تجویز کرتے ہیں۔

اصطلاح زبان کا علمی و فکری سرمایہ ہوتی ہے۔

یہ نہ صرف علم کی تفہیم کو آسان بناتی ہے بلکہ ایک قوم کے فکری و تہذیبی شعور کی آئینہ دار بھی ہوتی ہے۔

اردو زبان میں اصطلاح سازی کے اصولوں کا اہتمام کرنے سے یہ زبان سائنسی، فنی اور بین الاقوامی سطح پر مزید مضبوط بن سکتی ہے۔

اصطلاح وہ ستون ہے جس پر علم، فہم، اور فکری ارتقاء کی عمارت قائم ہوتی ہے۔

اس لیے ضروری ہے کہ اصطلاح سازی میں سادگی، معنوی وضاحت، لسانی مطابقت، اور بین الاقوامی ہم آہنگی جیسے اصولوں کو ہمیشہ پیش نظر رکھا جائے تاکہ اردو علمی ترقی کے میدان میں اپنا مؤثر کردار ادا کر سکے۔

سوال 2: درج ذیل شعری اصناف کی مثالوں کی مدد سے وضاحت کریں۔

الف: واسوخت

ب: پایبندِ ظلم

ج: المرك

الف: واسوخت

مطلوب و مفہوم:

لفظ "واسوخت" فارسی زبان سے ماخوذ ہے۔ اس کا لغوی مطلب ہے تبدیلی، پھیر بدل، یا دل کا پھیر جانا۔

اردو شاعری میں واسوخت ایک ایسی شعری صنف ہے جس میں عاشق اپنے محبوب سے مایوس ہو کر، اس کی بے وفائی، ظلم، یا غرور پر نالاں ہو کر بغاوت یا انکار کا اظہار کرتا ہے۔

یعنی، روایتی غزل میں جہاں عاشق اپنے محبوب کے ظلم پر صبر کرتا ہے،
واسوخت میں وہ عاشق اپنے محبوب کی زیادتی کے خلاف ردِ عمل دکھاتا ہے۔

واسوخت دراصل غزل کے عام اندازِ عشق کے خلاف ردِ عملی شاعری ہے،
جہاں عاشق محبوب کی خودسری اور بے رخی کے مقابلے میں اپنی خودداری
اور غیرت کا مظاہرہ کرتا ہے۔

تاریخی پس منظر:

واسوخت کی روایت فارسی شاعری میں شروع ہوئی، لیکن اردو میں اس صنف
کو میر تقی میر، مرزا محمد رفیع سودا، اور بعد میں غالب نے بھی بردا۔
خاص طور پر میر کے ہاں واسوخت کا لہجہ نہایت خالص، جذباتی اور انسانی
خودداری سے بھرپور ہے۔

واسوخت کا موضوعی دائرہ:

1. محبوب کی بے وفائی اور ظلم کے خلاف احتجاج

2. عاشق کی خودی، خودداری اور انا کا اظہار

3. محبت سے بیزاری یا اس کا نیارخ

4. طنز و استہزا کے انداز میں محبوب کی شکایت

5. محبوب کے مقابلے میں عقل و خود فہمی کی واپسی

واسوخت کی خصوصیات:

● عشق کی روایتی عاجزی کے بجائے خود اعتمادی

● محبوب سے انکار یا بے نیازی

● طنزیہ یا تند لہجہ

● صبر کے بجائے احتجاج

● دل شکستگی کے ساتھ ساتھ خود شناسی

واسوخت کی مثالیں:

میر تھی میر کے اشعار میں واسوخت کی کئی عمدہ مثالیں ہیں:

اب کے ہم بیزار ہیں اس طور کی یاری سے میر

جس میں ہو اظہارِ الفت، پر دل آزاری بہت

یہ شعر اس بات کی مثال ہے کہ عاشق محبوب کی تکلیف دہ محبت سے اکتا چکا ہے اور اب اس کے ظلم کے خلاف بغاوت کر رہا ہے۔

ایک اور مثال:

ان کے دیکھے سے جو آ جاتی ہے منہ پر رونق

وہ سمجھتے ہیں کہ بیمار کا حال اچھا ہے

یہاں شاعر نے محبوب کے فریب پر طنز کیا ہے – عاشق کو اس کے ظاہر سے جانچنا، محبوب کی خود فریبی کو ظاہر کرتا ہے۔

غالب نے بھی واسوخت کے رنگ میں یہ کہا:

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن

خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

یہاں شاعر محبوب کی بے نیازی پر طنز کر رہا ہے اور دکھا رہا ہے کہ وہ اب صبر نہیں بلکہ احتجاج کی کیفیت میں ہے۔

خلاصہ:

واسوخت اردو شاعری میں عشق کے روایتی تصور کے مقابلے میں عاشق کی خودداری، احتجاج اور فکری پختگی کا مظہر ہے۔

یہ صنف اس وقت سامنے آئی جب شاعری میں انسان کی خودی اور نفسیاتی شعور نے جنم لیا۔

ب: پایبندِ ظلم

مطلوب و مفہوم:

"پایبندِ ظلم" ایک استعارتی اور معنوی صنف ہے جو خاص طور پر انسانی معاشرے، سماجی ناانصافیوں، اور ظلم و استبداد کے خلاف شاعری میں ظاہر ہوتی ہے۔

یہ دراصل کسی مخصوص صنفِ سخن کا باقاعدہ نام نہیں بلکہ ایسی شعری

روایت یا رجحان ہے جس میں شاعر اپنے معاشرے میں پہلے ظلم، جبر، استحصال، اور نالنصافی کے خلاف آواز اٹھاتا ہے۔

اردو شاعری میں "پایبندِ ظلم" کی اصطلاح ایسے اشعار یا نظموں کے لیے استعمال کی جا سکتی ہے جن میں شاعر ظلم کے خلاف احتجاج کرتے ہوئے انسانی مساوات، عدل، آزادی اور حق گوئی کی وکالت کرتا ہے۔

تاریخی پس منظر:

یہ رجحان خاص طور پر ترقی پسند تحریک ('Progressive Writers') کے زمانے میں نمایاں ہوا، جب شعراء نے انسانی مساوات، طبقاتی نظام، مزدور کے استحصال، عورت کے حقوق، اور سامراجی ظلم کے خلاف آواز بلند کی۔

اس دور میں فیض احمد فیض، جوش ملیح آبادی، حبیب جالب، اور احمد ندیم قاسمی جیسے شعراء نے "پایبندِ ظلم" کے خلاف احتجاجی شاعری کی۔

موضوعات:

1. ظلم و جبر کے خلاف احتجاج

2. مظلوم طبقے کے حق میں آواز

3. سماجی و طبقاتی انصاف کا مطالبہ

4. آزادی و حریت کا اظہار

5. انقلاب اور بغاوت کی علامتیں

پایہنڈ ظلم کے اشعار کی مثالیں:

فیض احمد فیض:

بول کہ لب آزاد ہیں تیرے

بول زبان اب تک تیری ہے

یہ شعر اس بات کی علامت ہے کہ شاعر ظلم کے خلاف آواز اٹھانے کو انسان کا بنیادی حق سمجھتا ہے۔

حبیب جالب:

دیپ جس کا محلات ہی میں جلے

چند لوگوں کی خوشیوں کو لے کر چلے

وہ جو سایہ ظلمت یہاں تک چلا

وہ نظامِ صبح بے نور ہے، میں نہیں مانتا

یہاں شاعر ظلم کے اس نظام کو رد کر رہا ہے جو صرف چند طبقات کے مفاد میں کام کرتا ہے۔

نتیجہ:

پاییندہ ظلم شاعری کا وہ جذبہ ہے جو انسان کو ظلم کے خلاف کھڑا ہونے کا حوصلہ دیتا ہے۔

یہ شاعری انسانی وقار، مساوات، اور آزادی کی وکالت کرتی ہے اور ہر دور کے شعرانے اس کو اپنے اپنے انداز میں برداشت ہے۔

ج: المرک

مطلوب و مفہوم:

لفظ "المرک" عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں سواری یا مرکب چیز۔ اردو شعریات میں "المرک" ایک خاص قسم کی صنفِ شعر ہے جس میں شاعر دو مختلف معنوں، دو تصورات، یا دو جملوں کو اس طرح یکجا کرتا ہے کہ وہ ظاہراً ایک مصروع یا ترکیب معلوم ہو لیکن مفہوم میں دوہرًا یا تہ دار ہوتا ہے۔

یعنی، المرک دراصل معنی کے اشتراک اور ترکیب کی لطافت پر مبنی صنف ہے۔

یہ فن دراصل فنِ لفظی ترکیب اور فنِ معانی کا حسین امتزاج ہوتا ہے۔

فني وضاحت:

المرک میں شاعر دو مفہومات کو ایک دوسرے کے ساتھ اس انداز سے جوڑتا ہے کہ وہ ایک دوسرے پر سوار یا مرکب محسوس ہوتے ہیں۔
اس میں الفاظ کا کھیل، معنوی گھرائی، اور فکری باریکی بہت اہم ہوتی ہے۔

مثال:

میر تقی میر کا شعر:

دل کی ویرانی کا کیا مذکور ہے
یہ نگر سو بار اجڑا، پھر بسا
یہاں "اجڑا، پھر بسا" ایک المرک ترکیب ہے - ایک طرف محبت کے اجڑنے اور دوبارہ بسنے کا اشارہ ہے، دوسری طرف انسانی دل کے جذبات کی روانی کا۔
یہ دوہرًا مفہوم المرک کی فنی خوبی کو ظاہر کرتا ہے۔

ایک اور مثال:

غالب:

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن

خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

یہاں "خاک ہو جائیں گے" کا مفہوم بظاہر مرنے سے ہے لیکن علامتی طور پر
محبت میں فنا ہونے کی طرف بھی اشارہ کرتا ہے۔

یعنی ایک ہی مصروع میں دو معانی مرکب ہیں – یہ المرک کی بہترین مثال ہے۔

خصوصیاتِ المرک:

1. ایک مصروع یا ترکیب میں دو یا زیادہ مفہومیں کا اجتماع

2. معنی کی تہ داری اور نزاکت

3. فکری گھرائی اور لطافت

4. الفاظ کی ترتیب میں چابکدستی

5. قاری کے لیے معنی کے کئی پہلوؤں کی دریافت کا موقع

فَنِيْ ابْعَيْتَ:

المرک شاعری میں الفاظ کی معنوی توانائی کو اجاگر کرتا ہے۔

یہ شاعر کے فکری حسنِ بیان اور فنی مہارت کا مظہر ہے۔

اردو کے بڑے شعرا جیسے میر، غالب، مومن، اور اقبال نے اس طرز میں

کمال دکھایا۔

مندرجہ بالا تینوں اصناف – واسوخت، پایبندِ ظلم، اور المرک – اردو شاعری میں مختلف فکری، جذباتی اور فنی رجحانات کی نمائندہ ہیں۔

- واسوخت میں عشق کی بغاوت اور خودداری کی گونج ہے۔
- پایبندِ ظلم میں معاشرتی انصاف، حریت، اور احتجاج کا رنگ ہے۔
- المرک میں فنی نزاکت، معنوی گھرائی، اور زبان کی چابکدستی کا حسن ہے۔

یوں یہ تینوں شعری رجحانات اردو ادب کے تہذیبی، فکری، اور فنی ارتقاء کی مختلف جہتوں کو اجاگر کرتے ہیں۔

سوال 3: اردو غزل کی درج ذیل اصطلاحات کی وضاحت کریں۔

الف: بлагت

ب: توارد

ج: تشبيه

د: دوہا

و: سہلِ ممتنع

الف: بлагت

لغوی معنی:

لفظ "بلاغت" عربی زبان کے لفظ بلغ سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں پہنچنا یا مقصد تک پہنچ جانا۔

اصطلاحی تعریف:

بلاغت سے مراد ہے ایسی گفتگو یا تحریر جو بامقصد، مؤثر، فصیح اور دل نشین انداز میں اپنا مفہوم پہنچائے۔

یعنی جب کوئی شاعر یا نثر نگار اپنے خیالات کو اس انداز میں بیان کرے کہ سامع یا قاری کے دل پر اثر ہو اور وہ بات پوری وضاحت اور خوبی کے ساتھ سمجھ میں آجائے تو اسے بلاغت کہا جاتا ہے۔

بلاغت کی خصوصیات:

1. فصاحت: الفاظ درست، بامعنی اور خوش آہنگ ہوں۔

2. وضاحت: خیال واضح اور دو ٹوک ہو۔

3. تناسب: الفاظ اور مفہوم میں توازن ہو۔

4. دلکشی: اسلوب میں حسن اور تاثیر ہو۔

5. موقع و محل کی رعایت: بات وقت، مقام اور صورت حال کے مطابق ہو۔

بلاغت کی مثال:

میر تقی میر:

پتھ پتھ، بوٹا بوٹا، حال ہمارا جانے ہے
جانے نہ جانے گل ہی نہ جانے، باغ تو سارا جانے ہے

یہ شعر بлагت کی بہترین مثال ہے۔ شاعر نے سادہ مگر مؤثر الفاظ سے دل کے
حال کو فصاحت و بлагت کے ساتھ بیان کیا ہے۔

خلاصہ:

بلاغت ادب کی روح ہے۔ یہ صرف الفاظ کے حسن کا نام نہیں بلکہ خیال کی
تأثیر، دلکشی، اور اثر پذیری کا امتزاج ہے۔

ب: توارد

لغوی معنی:

"توارد" عربی لفظ "ورد" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں ایک ہی وقت میں
کسی جگہ پہنچنا یا کسی خیال کا آنا۔

اصطلاحی تعریف:

شاعری میں توارد اس کیفیت کو کہتے ہیں جب دو یا زیادہ شاعروں کے ذہن میں ایک ہی خیال یا مضمون بغیر کسی نقل کے، خود بخود آجائے۔

یعنی دونوں نے ایک دوسرے سے کچھ چرایا نہیں ہوتا بلکہ محس اتفاقاً ایک ہی خیال، ترکیب یا مضمون ذہن میں آجاتا ہے۔

وضاحت:

توارد نقل یا سرقة نہیں ہوتا کیونکہ اس میں نیتِ نقل یا چوری شامل نہیں ہوتی۔ بلکہ انسانی ذہن چونکہ فطری طور پر مشترک تجربات اور مشاہدات سے متاثر ہوتا ہے، اس لیے ایک ہی خیال مختلف شعرا کے ذہن میں آسکتا ہے۔

مثال:

مثال:

میر:

ہم نے مانا کہ تغافل نہ کرو گے لیکن

خاک ہو جائیں گے ہم تم کو خبر ہونے تک

اور

غالب:

جی ڈھونڈتا ہے پھر وہی فرصت کے رات دن

بیٹھے رہیں تصورِ جانش کیے ہوئے

یہ دونوں اشعار اگرچہ الگ ہیں مگر دونوں میں جدائی، انتظار اور بے قراری کا
وہی مضمون ملتا ہے۔

یہ اتفاقی مماثلت توارد کہلاتی ہے۔

خلاصہ:

توارد ایک ادبی اتفاق ہے، چوری نہیں۔

یہ شاعرانہ وجدان کی ہم آہنگی کی مثال ہے جو شاعروں کے مشترکہ انسانی
احساسات کی بنیاد پر ظاہر ہوتی ہے۔

ج: تشبيه

لغوی معنی:

تشبيه عربی لفظ "شبَّهَ" سے بنा ہے، جس کے معنی ہیں کسی چیز کو کسی دوسری چیز کے مانند قرار دینا۔

اصطلاحی تعریف:

تشبيه سے مراد ہے کہ کسی شے، شخص یا کیفیت کو کسی دوسری معروف یا حسین چیز سے مشابہ قرار دینا تاکہ اس کی وضاحت یا حسن بڑھ جائے۔

تشبيه کے اجزاء:

1. مشبه: جس چیز کو کسی سے تشبيه دی جائے (مثلاً چہرہ)

2. مشبه بہ: جس چیز سے تشبيه دی جائے (مثلاً چاند)

3. حرفِ تشبیه: جیسے "جیسے"، "کی طرح"، "مانند" وغیرہ

4. وجہ شبہ: وہ صفت جو دونوں میں مشترک ہو (مثلاً روشن، خوبصورت)

مثال:

تیرا چہرہ چاند کی طرح روشن ہے۔

یہاں "چہرہ" مشبہ ہے، "چاند" مشبہ بہ، "کی طرح" حرفِ تشبیه، اور

"روشن" وجہ شبہ ہے۔

شاعرانہ مثال:

حافظَ شیرازی:

رخِ زیبا ترا مانندِ گل و نسرین کنم

صبحدم چون آفتاب از خانہ بیرون آوری

یہاں "رخ زیبا" کو "گل و نسرین" سے تشبیہ دی گئی ہے تاکہ حسن کی شدت
ظاہر ہو۔

اقسام تشبیہ:

1. **تشبیہ مفرد:** ایک چیز کو دوسری ایک چیز سے تشبیہ دینا۔
 2. **تشبیہ مركب:** ایک کیفیت کو دوسری کیفیت سے مشابہ قرار دینا۔
 3. **تشبیہ بلیغ:** جس میں حرف تشبیہ حذف کر دیا جائے۔
 4. **تشبیہ ملفووف:** جس میں متعدد اشیاء کی ایک ساتھ تشبیہ دی جائے۔
-

خلاصہ:

تشبيه شاعری میں تصویر کشی، حسنِ بیان، اور جذبات کی شدت پیدا کرنے کا

ذریعہ ہے۔

یہ شاعرانہ اظہار کی بنیادوں میں سے ایک ہے۔

د: دوہا

لغوی معنی:

لفظ "دوہا" سنسکرت زبان کے لفظ "دوی" سے ماخوذ ہے، جس کے معنی ہیں دو مصراعوں والی نظم یا شعر۔

اصطلاحی تعریف:

دوہا ہندی اور اردو شاعری کی ایک قدیم صنف ہے جس میں دو مصراعے (اشعار) ہوتے ہیں، اور ہر مصراع میں مخصوص بحر اور وزن کی پابندی ہوتی ہے۔

دوہا عام طور پر اخلاقی، مذہبی، فلسفیانہ یا عشقیہ پیغام پر مشتمل ہوتا ہے۔

ساخت:

● دوہا دو مصروعوں پر مشتمل ہوتا ہے۔

● پہلا مصريع 13 ماتروں (syllables) کا اور دوسرا 11 ماتروں کا ہوتا ہے۔

● دوہا کی زبان عموماً سادہ، روزمرہ اور عوامی ہوتی ہے۔

مشہور دوہے:

کبیر داس:

کبیر وہ دن یاد کر، جب گویا منه نہ تھا۔

کیا بھوجن، کیا نیند تھی، کیا چیت، کیا مَن تھا۔

یہ دوہا انسان کو عاجزی، خود شناسی اور دنیا کی ناپائیداری کا احساس دلاتا ہے۔

رحیم:

رحیم دھاگہ پریم کا، مت توڑو چٹکائے۔

ٹوٹے سے پھر نہ جڑے، جڑے گانٹھ پڑ جائے۔

یہ دوہا تعلقات میں نرمی، برداشت اور محبت کا درس دیتا ہے۔

اردو میں دوہا:

اردو شاعری میں بھی دوہا ایک عوامی اور دلنشیں صنف کے طور پر مستعمل ہے، خاص طور پر امیر خسرو اور سودا کے ہاں اس کی جھلک ملتی ہے۔

خلاصہ:

دوہا مختصر مگر معنی خیز صنفِ سخن ہے جو سادگی، حکمت اور اثر انگیزی کا حسین امتزاج ہے۔

و: سہلِ ممتنع

لغوی معنی:

"سہل" کے معنی ہیں آسان، اور "ممتنع" کے معنی ہیں ناممکن یا دشوار۔
یعنی سہلِ ممتنع وہ صنف ہے جس میں شعر بظاہر آسان معلوم ہوتا ہے لیکن
حقیقت میں ویسا شعر کہنا انتہائی مشکل ہوتا ہے۔

اصطلاحی تعریف:

سہلِ ممتنع ایسی شاعری کو کہتے ہیں جو سادہ الفاظ اور روزمرہ زبان میں کہی
گئی ہو، مگر اس میں معنی کی گہرائی، حسنِ ترتیب، اور فکری بلندی اس قدر
ہو کہ دوسرا شاعر ویسا شعر کہنے سے قاصر ہو۔

خصوصیات:

1. الفاظ عام اور روزمرہ کے ہوں۔

2. معنی کھرے اور وسیع ہوں۔

3. بیان میں سادگی لیکن تاثیر میں گھرائی ہو۔

4. قاری کو شعر آسان لگے مگر تخلیق کرنا دشوار ہو۔

مثالیں:

میر:

میر کیا سادہ ہیں بیمار ہوئے جس کے سبب

اسی عطار کے لونڈے سے دواليتے ہیں

یہ شعر زبان کے اعتبار سے انتہائی سادہ ہے مگر اس کے طرز اور گہرائی میں
نکتہ آفرینی ہے۔

غالب:

عشق نے غالب نکما کر دیا
ورنہ ہم بھی آدمی تھے کام کے
یہاں الفاظ عام ہیں، مگر مفہوم گھرا اور فکری ہے۔
یہی سہلِ ممتنع کا کمال ہے کہ سادہ لفظوں میں فلسفہ بیان ہو جائے۔

خلاصہ:

سہلِ ممتنع اردو شاعری کی اعلیٰ فنی خصوصیت ہے۔
اس میں شاعر سادہ مگر معنی خیز انداز میں گہری بات بیان کرتا ہے۔ یہ
садگی دراصل فن کی معراج ہوتی ہے۔

| اصطلاع | مفهوم | نمایاں | مثال | خاصیت | ح |
|--------|------------------------------------------|--------------------------------|-----------------------|-------------------------------------|-----------------|
| بلاغت | خوبصورت اور مؤثر اظہارِ فصاحت، بوٹا | میر کا "پتہ پتہ بوٹا" | میر کا "پتہ پتہ بوٹا" | بوٹا، وصاحت، تاثر | خیال |
| توارد | دو شاعروں کا ایک ہی خیال اتفاقاً کہنا | نقل نہیں، اتفاق مشابہ اشعار | مشابہ اشعار | مشابہ اشعار و وصاحت | مشابہ قرار دینا |
| تشبیه | کسی شے کو دوسری سے مشابہ قرار دینا | حسنِ بیان و وصاحت | چہرہ چاند کی طرح | حسنِ بیان و وصاحت | مشابہ قرار دینا |
| دوہا | دو مصروعوں پر مشتمل مختصر نظم | مضامین | دوہے | اخلاقی و فلسفیانہ کبیر و رحیم کے | دوہے |

سہلِ بظاہر آسان مگر فنی طور سادگی میں "عشق نے غالب
ممتنع پر مشکل شعر نکما کر دیا" گھرائی

یوں یہ تمام اصطلاحات اردو شاعری خصوصاً غزل کے فنی، فکری، اور معنوی حسن کو اجاگر کرتی ہیں۔

یہی وہ عناصر ہیں جنہوں نے اردو شاعری کو دلکشی، معنویت، اور عالمی سطح کی فصاحت عطا کی۔

سوال 4: محسناتِ شعری سے کیا مراد ہے؟ درج ذیل ادبی اصطلاحات کی وضاحت کریں۔

محسناتِ شعری سے مراد:

محسناتِ شعری سے مراد وہ فنی خوبیاں ہیں جو شعر یا نثر میں حسن، تاثیر، روانی اور دلکشی پیدا کرتی ہیں۔ یہ محسنات کسی بھی کلام کو عام درجے سے بلند کر کے فنی لحاظ سے مکمل اور پرائزر بنا دیتے ہیں۔

محسنات دو اقسام کے ہوتے ہیں:

1. محسناتِ لفظی: جو الفاظ کے حسن، صوتی توازن اور آہنگ سے تعلق رکھتے ہیں۔
2. محسناتِ معنوی: جو معنی، خیال اور مضمون کے حسن سے تعلق رکھتے ہیں۔

اردو شاعری میں ان محسنات کا استعمال فنی پختگی اور زبان کی نزاکت کو ظاہر کرتا ہے۔ ذیل میں دی گئی اصطلاحات محسناتِ شعری ہی کی مثالیں ہیں۔

الف: تکرار الفاظ

تکرار کے معنی ہیں "دہرانا" یا "بار بار استعمال کرنا"۔ جب شاعر کسی لفظ یا فقرے کو کسی مخصوص مقصد کے لیے بار بار استعمال کرے تو اسے تکرار الفاظ کہا جاتا ہے۔ اس کا مقصد بیان میں زور پیدا کرنا، معنی میں تاکید لانا، نغمگی پیدا کرنا یا جذبات کو زیادہ شدت سے ظاہر کرنا ہوتا ہے۔

یہ محسن لفظی ہے۔

مثال:

ہے چپ چپ چپ رہنے سے کام نہ چلے، کچھ تو کہہ دے دل کے حالات کا
(نامعلوم شاعر)

اس شعر میں "چپ چپ چپ" کی تکرار نے ایک کیفیت شدت احساس پیدا کی
ہے۔

ایک اور مثال:

ہے نہ جانہ جانہ جا کہ دل ابھی بھرا نہیں

(فیض احمد فیض)

یہاں ”نہ جا“ کی تکرار نے فراق اور التجا کے جذبات کو مؤثر طریقے سے ظاہر کیا ہے۔

فائده:

تکرارِ الفاظ سے شعر میں نغمگی، موسیقیت اور زورِ بیان پیدا ہوتا ہے، جو قاری کے دل پر گہرا اثر چھوڑتا ہے۔

ب: ردیف و قافیہ

ردیف اور قافیہ اردو شاعری کے بنیادی فنی اجزاء ہیں جن کے بغیر غزل یا نظم کی ہیئت مکمل نہیں ہوتی۔

یہ دونوں محسناتِ لفظی ہیں اور شعر کو ایک مخصوص آہنگ، روانی اور حسن عطا کرتے ہیں۔

قافیہ:

قافیہ وہ لفظ یا الفاظ ہیں جو ہر شعر کے دوسرے مصرعے کے آخر میں ردیف سے پہلے ایک جیسے آواز یا حرف سے ملتے جلتے ہوں۔

مثال:

ہے کوئی امید بر نہیں آتی

ہے کوئی صورت نظر نہیں آتی

(غالب)

یہاں "آتی" ردیف ہے اور "بر" اور "نظر" قافیہ ہیں کیونکہ دونوں میں "ر" کی آواز مشترک ہے اور ردیف سے پہلے آتی ہے۔

ردیف:

ردیف وہ لفظ یا الفاظ ہیں جو ہر شعر کے آخر میں قافیہ کے بعد ایک ہی طرح دہرائے جاتے ہیں۔

مثال:

ہے کوئی امید بر نہیں آتی

ہے کوئی صورت نظر نہیں آتی

ہے موت کا ایک دن معین ہے
ہے نیند کیوں رات بھر نہیں آتی
یہاں ”نہیں آتی“ ردیف ہے جو ہر شعر کے آخر میں یکسان دھرائی گئی ہے۔

اہم نکات:

- قافیہ اور ردیف مل کر غزل کے اشعار میں نغمگی پیدا کرتے ہیں۔
- ان کے بغیر شعری تسلسل قائم نہیں رہتا۔
- شاعر کے فنی ذوق، زبان پر قدرت اور صنائع و بدائع کے حسن کو ظاہر کرتے ہیں۔

فنی فائدہ:

ردیف و قافیہ کے ذریعے شاعر اپنے کلام میں ایک مخصوص آہنگ، موسیقیت اور ترتیب پیدا کرتا ہے جو سننے والے کے دل پر اثر کرتی ہے۔

ج: قولِ محل

قولِ محل ایک محسنِ معنوی ہے۔ اس سے مراد وہ بات یا خیال ہے جو بظاہر محل (ناممکن یا خلافِ عقل) معلوم ہوتا ہے مگر شاعر فنی مہارت کے ذریعے اسے خوبصورت، دلکش اور معنی خیز انداز میں بیان کرتا ہے۔

قولِ محل میں شاعر کسی کیفیت یا جذبے کو مبالغے کے ذریعے اس حد تک بڑھا دیتا ہے کہ وہ حقیقت سے بلند معلوم ہونے لگتا ہے۔

مثلاً:

ہے کعبہ کس منہ سے جاؤ گے غالب
ہے شرم تم کو مگر نہیں آتی

یہاں شاعر نے اپنے گناہوں کی زیادتی کو اتنے مبالغے سے بیان کیا کہ گویا خدا کے گھر جانے کے لائق ہی نہیں رہا۔ یہ فنی لحاظ سے قولِ محل کی مثال ہے۔

ایک اور مثال:

ہے اتنا رویا ہوں کہ دریا بھی شرما جائے

ہے میرے آنسوؤں میں کشتی بھی بہہ جائے

یہاں شاعر نے اپنی رقت اور غم کو مبالغے کی صورت میں بیان کیا ہے کہ اس کے آنسوؤں سے دریا شرما گیا۔ ظاہر ہے کہ یہ بات حقیقت میں ممکن نہیں مگر اس سے شاعر کے احساس کی شدت ظاہر ہوتی ہے۔

قولِ محل کا مقصد:

● جذبے کی شدت کو مؤثر انداز میں ظاہر کرنا۔

● شعر میں تخیل، مبالغہ اور فنی حسن پیدا کرنا۔

● قاری کے دل میں حیرت و تأثیر پیدا کرنا۔

خلاصہ:

محسناتِ شعری شاعری کے فنی ستون ہیں جو کلام میں تاثیر، لطافت اور دلکشی پیدا کرتے ہیں۔

- تکرارِ الفاظِ جذباتی شدت اور نغمگی لاتی ہے۔
- ردیف و قافیہ کلام کے آہنگ کو قائم رکھتے ہیں۔
- قولِ محالِ تخیل اور مبالغہ کے ذریعے معنی میں گھرائی پیدا کرتا ہے۔

ان محسنات کے حسن سے شعر صرف الفاظ کا مجموعہ نہیں رہتا بلکہ احساسات، جذبات اور فنی لطافتوں کا حسین امتزاج بن جاتا ہے جو اردو شاعری کے فن کو زندہ رکھتا ہے۔

سوال 5: درج ذیل نثری اصناف پر مختصر مگر جامع نوٹ تحریر کریں:

د: جدتِ ادا

ا: انسائیہ

ii: حکایت

د: جدتِ ادا

جدتِ ادا سے مراد ہے کسی خیال، جذبے یا موضوع کو نئے، منفرد اور پرکشش انداز میں پیش کرنا۔ اگرچہ موضوع پر انداز بھی ہو سکتا ہے، لیکن اس کے بیان، الفاظ، ترکیب، یا اسلوب میں ایسا نیا پن ہو کہ قاری کو تازگی اور انفرادیت کا احساس ہو۔ یہی جدتِ ادا کہلاتی ہے۔

اردو ادب میں جدتِ ادا کا مطلب یہ نہیں کہ موضوعات بدلے جائیں، بلکہ بیان کے انداز میں تخلیقی حسن، زبان کی تازگی، استعاروں اور تشبیہوں کا نیا استعمال، اور خیال کی ندرت لائی جائے۔

مثال:

مرزا غالب نے محبت اور درد جیسے روایتی موضوعات کو ایسے نئے اسلوب میں بیان کیا کہ پرانے مضامین بھی تازہ محسوس ہونے لگے۔

ہے دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت، درد سے بھر نہ آئے کیوں

ہے روئیں گے ہم بزار بار، کوئی ہمیں ستائے کیوں

یہاں جذبہ تو روایتی ہے مگر ادا کا انداز منفرد اور دلکش ہے۔

ادبی اہمیت:

● جدتِ ادا شاعر یا ادیب کے فکری تخیل اور فنی صلاحیت کا ثبوت ہے۔

● یہ ادب کو تازگی بخشتی ہے۔

● قاری کے لیے پرانے مضمون میں نیا لطف پیدا کرتی ہے۔

● کسی بھی فن پارے کی کامیابی بڑی حد تک اسی خصوصیت پر منحصر ہوتی ہے۔

انسانیہ اردو ادب کی ایک اہم نثری صنف ہے جس میں مصنف اپنے مشاہدات، خیالات، تجربات، یا کسی موضوع پر ذاتی تاثر کو دلچسپ، غیر رسمی، مگر فکری انداز میں بیان کرتا ہے۔ انسائیہ مضمون کی طرح خشک یا تحقیقی نہیں ہوتا بلکہ ادبی، پر لطف اور دلکش ہوتا ہے۔

لفظی معنی: "انشاء" کے معنی ہیں "تحریر کرنا" یا "بیان کرنا"، لہذا انسائیہ ایسی نثر ہے جس میں مصنف کی انفرادیت اور تخلیقی اظہار نمایاں ہوتا ہے۔

خصوصیات:

1. غیر رسمی انداز بیان: انسائیہ میں علمی یا تحقیقی زبان کے بجائے عام فہم اور دلچسپ زبان استعمال کی جاتی ہے۔

2. ذاتی تاثر: مصنف کسی موضوع پر اپنی ذاتی رائے اور احساسات بیان کرتا ہے۔

3. لطیف طنز و مزاح: انسائیہ میں مزاحیہ یا طنزیہ انداز بھی عام ہے تاکہ

قاری لطف اندوز ہو۔

4. فکری گھرائی: اگرچہ انداز سادہ ہوتا ہے مگر اس میں گھرے مشاہدات اور

تجربات پوشیدہ ہوتے ہیں۔

5. تخلیقی آزادی: مصنف کسی سخت ساختی اصول کا پابند نہیں ہوتا۔

مثال:

مشہور اردو انسائیہ نگاروں میں محمد حسین آزاد، ابوالکلام آزاد، رشید احمد

صدیقی، شوکت صدیقی، پطرس بخاری کے نام نمایاں ہیں۔

پطرس بخاری کا انسائیہ "سکوٹر" یا "مرزا" اس صنف کی بہترین مثالیں ہیں،

جن میں روزمرہ زندگی کے معمولی واقعات کو لطیف مزاح اور گھرے تاثر کے

ساتھ پیش کیا گیا ہے۔

اہمیت:

انشائیہ ادب میں تفکر، مزاح، اور فلسفہ حیات کو دلچسپ انداز میں پیش کرنے کا بہترین ذریعہ ہے۔ یہ قاری کو سوچنے، مسکرانے اور زندگی کے معمولات پر غور کرنے پر آمادہ کرتا ہے۔

ii: حکایت

حکایت ایک قدیم نثری صنف ہے جس میں کسی واقعے یا قصے کے ذریعے اخلاقی، اصلاحی یا سبق آموز پیغام دیا جاتا ہے۔ یہ صنف مشرقی ادب کی قدیم روایتوں میں خاص اہمیت رکھتی ہے، خصوصاً فارسی اور اردو ادب میں۔

لفظی معنی:

"حکایت" عربی لفظ "حکایت" سے ماخوذ ہے جس کے معنی ہیں "بیان کرنا" یا "قصہ سنانا"۔

خصوصیات:

1. کہانی پن: حکایت میں عام طور پر ایک مختصر کہانی یا واقعہ ہوتا ہے۔

2. کردار نگاری: کردار کم ہوتے ہیں مگر واضح اور سبق آموز۔

3. اخلاقی سبق: ہر حکایت کا اختتام کسی اخلاقی یا اصلاحی نتیجے پر ہوتا ہے۔

4. علامتی انداز: بعض حکایات میں جانوروں یا غیر حقیقی کرداروں کے ذریعے انسانی صفات کو بیان کیا جاتا ہے۔

5. سادہ زبان: حکایات عام فہم اور مختصر انداز میں لکھی جاتی ہیں تاکہ ہر طبقہ سمجھ سکے۔

مثالیں:

• گلستانِ سعدی اور بوستانِ سعدی فارسی ادب میں حکایات کی بہترین

کتابیں ہیں۔

• اردو میں مولانا رومی، امیر خسرو اور شبی نعمانی کی تصنیفات میں

بھی حکایات ملتی ہیں۔

• مثال کے طور پر:

ایک شخص نے دریا میں پتھر پھینکا۔ دوسرے نے کہا: ”پتھر پھینکنا آسان

ہے، لیکن جو مچھلی مر گئی، اسے کون زندہ کرے گا؟“

سبق: نقصان پہنچانا آسان ہے، مگر اصلاح کرنا مشکل۔

اہمیت:

• حکایات اخلاقی تربیت اور انسانی کردار کی اصلاح میں مددگار ہیں۔

- یہ بچوں اور بڑوں دونوں کے لیے دلچسپ اور سبق آموز ہوتی ہیں۔
 - دینی، اخلاقی اور سماجی اقدار کو آسان اور پرکشش انداز میں منتقل کرتی ہیں۔
-

خلاصہ:

| صن | تعريف | نمایاں خصوصیات | مثال / نمایاں |
|-----|-------------------------------|------------------|---------------|
| ف | جتنی خیال یا مضمون کو نئے اور | انفرادیت، تخلیقی | غالب، اقبال |
| ادا | دلکش انداز میں بیان کرنا | انداز، تازگی | |

| | | | | |
|--------|-------------------------------|------------------------------|----------------------------|-----|
| انشا | ذاتی تاثرات اور خیالات کو غیر | لطیف مزاح، تخیل، پطرس بخاری، | رسمی مگر فکری انداز میں | ئیہ |
| مشابہہ | مشید احمد | صدیقی | بیان کرنا | |
| حکا | سبق آموز انجام، | سعدی شیرازی، | حکا مختصر اخلاقی یا اصلاحی | |
| یت | علامتی طرز، | رومی | کہانی | |
| | سادگی | | | |

نتیجہ:

اردو نثر کی یہ تینوں اصناف – جدتِ ادا، انشائیہ، اور حکایت – ادب میں حسنِ بیان، فکری وسعت، اور اخلاقی تربیت کا حسین امتزاج پیش کرتی ہیں۔ ان کے ذریعے نہ صرف زبان میں تنوع پیدا ہوتا ہے بلکہ قاری کو فکری، اخلاقی، اور تخالیقی سطح پر نئی سمتیں بھی ملتی ہیں۔